پاکستان اردو ناولوں کا سیاسی اور سماجی تناظر میں ایک جائزہ

ڈاکٹر رانی صابر علی☆

Dr. Rani Sabir Ali

Abstract:

Novel has patrayed life's panorama, political up heavals and social strife at length in every era. It may occure from independence war of 1857 to any aspect of division of 1947, There is not a single glimpse which may not be sketched in this form of literature.
Khadija Mastoor's "Angan" and Abdullah hussain's "Udas Naslain" are the reflection of national history. In "Qaid" and "Nadar Log" too harsh and bitter effects of post partition are manifested.
Razia Fasih Ahmad', Altaf Fatima and Tariq Mehmood delineated a vivid picture of the mental agony and dillma faced by the writers and poets due to the bifurcation of East Pakistan in 1971. Woes and worries of the migrants got a suitable place not only in intizar Hussain's Novels but also in other novels of many novelists as well, through various characters.
Drastic changes of twenty first century also cast their influence on the literature of that respective time. Radical changes in Pakistani Government and politics were delineated by the novelists in form of different stories. In the specific era of 'Hasil Ghat' Kaghazi Ghaat' 'Khas-o-Khasaak Zamany, There is a detailed description of the national and international issues which are very clean demonstration of the fact that a novelist maintains a deep insight on the objective matters rather than only subjective materials.

اُردو ناول وہ صنف ہے جس نے بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ نئے واقعات و حالات زندگی کی کروٹوں اور سیاسی و سماجی تبدیلیوں کو تفصیل سے پیش کیا ہے ناول کی طوالت کی وجہ سے ایسا ممکن ہے کہ اس میں کئی صدیوں کی تاریخ کو سمویا جا سکے۔ افسانے کے چھوٹا ہونے کے باعث پوری سماجی حقیقتوں کی عکاسی اشاروں کے ذریعے ہوتی ہے۔ لیکن ناول میں اتنی گنجائش ہوتی ہے کہ بہت سی نسلوں کو اکٹھا ایک ساتھ پیش کیا جا سکے۔ سماج و معاشرت، تاریخ تہذیب، کلچر،

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین ساہیوال

اخلاق، سوشل سائنس اور بہت سے دوسرے علوم کی بحثیں اس میں وضاحت اور پوری نظریاتی سچائی کے ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ انگلستان میں پہلے پہل یہ اخلاقی اقدار پر مبنی قصوں پر مشتمل تھا پھر اس میں خواب زندگی کے رنگ بھرے گئے اور آہستہ آہستہ سچی حقیقتوں کی اہم ترین عکاسی صرف ناول ہی بن کر رہ گیا بہت سے ممالک میں مختلف طرز پر ناول لکھے گئے ہر عہد کی ایک تاریخ اور اپنی ثقافت تھی نیز سیاسی، سماجی ڈھانچہ بھی ہر لحاظ سے مختلف تھا۔

ناول میں ہر قسم کی کہانی ہوتی ہے ناول نگار مناسب انداز سے اُس کو آگے بڑھاتا ہے اور کہانی کے پیچ وخم سے قاری کو آگاہ کرتا ہے۔ ناول میں زیادہ تر تاریخ اور سیاست ہی زیر بحث رہی ہے ۔ مگر اس کے باوجود تبلیغی اور عصری ناولوں کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ عصری ناول میں اتنی گنجائش ہوتی ہے کہ اس میں اپنے زمانے کی سیاسی چیرہ دستیوں اور استحصال کو نمایاں کر کے بیان کیا جاسکے کیونکہ عصری ناول صرف زمانے کی اونچ نیچ کو ہی سامنے رکھ کر لکھا جاتا ہے دنیا کے واقعات مختلف ملکوں کے حالات جنگوں کی کہانیاں اُن کے اثرات اور وجوہات سیاسی رہنماؤں کے نظریات ملکوں کا ٹوٹنا بگڑنا اور بننا ان سب حالات کی عکاسی عصری ناول ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

ہندوستان کی تاریخ پر اگر نظر دوڑائیں تو یہ کئی دفعہ ٹوٹا بنا اور بگڑا اس پر کئی حملے ہوئے اور کئی دفعہ قبضہ ہوا ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال میں ایک چھوٹی سی کمپنی بنا کر اس پر قبضے کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۵۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے سول سروس کا امتحان انگلینڈ میں لیا گیا وہ لوگ جو کچھ تعلقات رکھتے تھے کامیاب ہوگئے اور بعض غریب مجبور اور پڑھے لکھے نوجوان جو انگریز بہادر کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ ناکام ہوگئے ان میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ اس ساری بے چینی نے ہندوستان کے لوگوں کے اندر انگریزوں سے بغاوت کا احساس پیدا کر دیا۔

> ''جہاں تک مسلمانوں میں سیاسی شناخت کا مسلہ ہے تو یہ برطانوی دور حکومت میں پیدا ہوئی کہ جب ہندوستان میں جمہوری ادارے، روایات اور قدریں آئیں اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں شدت کے ساتھ یہ احساس بھی ہوا کہ جمہوری نظام حکومت میں وہ اقلیت میں رہتے ہوئے کبھی اقتدار حاصل نہیں کر سکیں گے۔''(۱)

مسلمانوں کو آزادی تو ایک طرف انسانی وقار اور عزت س نفس بھی میسر نہیں تھی نہ ہی معاشی خوشحالی تھی اور نہ ہی سیاسی اور سماجی طور پر ان کا رتبہ مستحکم تھا اس لیے انہوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی میں حصہ لیا۔

جن وجوہات کی بناء پر جنگ ہوئی تھی اُن میں زیادہ تر اصول وہی تھے جو مسلمانوں کے اسلامی اصولوں سے ٹکراتے تھے۔

انہی کی بناء پر مسلمانوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا لیکن بد قسمتی سے کچھ لوگوں نے غداری کی اور یہ جنگ آزادی ناکام ہو گئی۔ فاتح اور طاقتور برطانوی راج نے مسلمانوں پر جی بھر کر ظلم ڈھایا۔ یہ دیکھ کر سر سید احمد خان نے اپنی کتاب "اسباب بغاوت ہند" لکھی اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کر کے لندن میں تمام اہم سیاستدانوں کو بھیجا اور وضاحت کی کہ جنگ آزادی کی وجہ ذاتی عناد نہیں تھا بلکہ کمپنی کے افسروں نے ہندوستانیوں اور مسلمانوں پر جو ظلم و زیادتی روا رکھی تھی اس کی وجہ سے لوگ اپنے حق میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔

> ''۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد تمام ہندوستان پر اُداسی کی لہر چھا گئی اس واقعہ نے مسلمانوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا انہیں بُری طرح کچلا گیا اور ستایا گیا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خود کو انتہائی مجبوری لاچاری اور ستم زدگی کی حالت میں پایا۔''(۲)

یہی وہ دور تھا جس میں اُردو کے پہلے ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد سامنے آئے ان کا پہلا ناول ''مراۃ العروس'' (۱۸۶۹ء) ہے مولوی نذیر احمد چونکہ سر سیّد تحریک کے کارکن بھی تھے اس لیے ان کے بعد کے ناولوں میں سیاسی نظریات اور بحثیں بھی ملتی ہیں اُن کے ناول ''ابن الوقت'' کا کردار جس طرح سماجی تقاضوں کے مطابق تبدیل ہوا اور اس نے انگریزی کی تقلید میں اپنی وضع کو چھوڑ دیا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سمجھ چکا تھا کہ انگریزی سیکھ کر اور نئے طور طریقے سمجھ کر ہی ترقی ممکن ہے۔ اس لیے اپنے پہلے ہی ڈنر میں جس طرح وہ تقریر کرتا ہے اور حاکم و محکوم کے رشتے کو واضح کرتا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ برٹش گورنمنٹ کے اداروں اور اس کے مقاصد سے وہ اچھی طرح آگاہ اور واقف تھے "فسانہ مبتلا" میں نذیر احمد نے سماجی زندگی میں ان الجھنوں کو بے نقاب کیا جو نجی زندگی کو ناکام بنا دیتی ہے۔

نئی اور پرانی زندگی کو نذیر احمد ساتھ ساتھ لے کر چلے ہیں اور ان دونوں کی ٹکر سے جو بے چینی اور بے سکونی پیدا ہوتی ہے اس کو بھی نمایاں کیا ہے۔

رتن ناتھ سرشار نے سماجی زندگی کی چلتی پھرتی تصویریں دکھا کر اس دور کے لکھنو کی مٹتی ہوئی تہذیب کو قاری کے سامنے پیش کیا۔ اس تہذیب کا ہر گوشہ ان کے سامنے تھا جس میں سے ڈھونڈ کر انہوں نے وہ کردار نکالے جو آسانی سے اس تہذیب کی عکاسی کر سکیں۔

عبدالحلیم شرر نے اپنی تحریروں میں ایک ہنگامے اور جدل سے بھرا ہوا سماج تاریخ کی پیچیدہ اور گنجلک راہوں سے نکال کر پیش کیا اور تاریخی سیاسی و سماجی شعور سے کام لے کر ایسے کردار پیش کیے جن کے ذریعے قوم کی مایوسی اور پژمردگی کو دور کیا جاسکے رسوا نے لکھنو کے سماجی و ثقافتی پس منظر کو بیان کرنے کے لیے جو ناول لکھے اس سے یہ واضح ہوا کہ کیسے نوابان اودھ کی ہوس ناکیوں اور عیش پرستی کے باعث تباہی ہوئی طوائف کے کردار کو منتخب کر کے رسوا نے لکھنو کے سارے زوال پذیر افراد کو اس کے کوٹھے پر جمع کر دیا اور بڑی آسانی سے اس دور کی معاشرت سیاسی انتشار اور بے چینی کو نمایاں کیا۔

پریم چند اپنے دور کے بہت بڑے نبض شناس اور سماجی حقیقیوں سے آشنا ناول نگار ہیں ہندوستانی عوام فرنگی، سامراج سے دشمنی اور نفرت، عام زندگی کے مسائل، نفسیاتی الجھنیں پسے ہوئے مظلوم عوام کے جذبات کی عکاسی اور انسان دوستی اُن کے ناولوں میں بہت واضح ہے۔ اُن کا سیاسی اور سماجی شعور ہی اُن کے فن کی پہچان ہے۔ کسان اُس کی زمین اس کے ہارے ہوئے جذبات اور مسائل سب پریم چند کے ہاں ملتے ہیں محنت کش عوام کی جیسی تصویریں پریم چند کے ہاں نظر آتی ہیں وہ کسی دوسرے ناول نگار کے ہاں کم ہی ہیں۔ ''میدان عمل'' اور ''گئودان'' میں پریم چند کا سیاسی اور سماجی شعور نا صرف واضح ہے بلکہ معاشی سماجی طور پر پسے ہوئے عوام کے لیے وہ باقاعدہ حل بھی پیش کرتے ہیں۔ تمام مسائل ان کی نظر میں ہیں اور ان کا حساس دل عوام کی حالت دیکھ کر تڑپتا ہے یہ تڑپ اُن کے ناولوں میں موجود ہے۔

سجاد ظہیر نے مارکسی خیالات کو پروان چڑھایا ترقی پسندی کو شہرت دینے والوں میں پریم چند کے ساتھ ان کا نام بھی نمایاں ہے۔ اپنے ناول ''لندن کی ایک رات'' میں سجاد ظہیر نے اس سماجی و سیاسی سوچ کی عکاسی کی ہے جو نو آبادیاتی نظام کے تحت انقلاب کی منتظر ہے۔ افراد بیرون ملک سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ہندوستان آکر اعلیٰ عہدے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ عصمت چغتائی کے ناولوں میں ہندو سماج، ہندو معاشرہ اور جاگیردرانہ سوچ نمایاں ہے لیکن ترقی پسندی کے نام پر عصمت نے جنسی گھٹن کو جس پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ کہیں کہیں بہت عامیانہ ہو جاتی ہے عصمت چغتائی کے ناولوں میں سیاست صرف جاگیردار معاشرے کی حد تک ہے نچلے طبقے کو کوئی حق نہیں کہ وہ کسی قسم کا احتجاجی مظاہرہ کریں۔ کرشن چندر نے "شکست" میں سماجی حالات کو سیاست کے گرد بنا دکھایا ہے اس کا تحصیل دار باپ نہ صرف اثر و رسوخ رکھتا ہے۔ بلکہ سیاسی مکر و فریب اور

چالاکیوں سے بھی آگاہ ہے۔ اس ناول میں عورت کے لیے جو جگہ جگہ گھوڑی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس سے انگریز ذہنیت کے تحت جبری حکومت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ عزیز احمد نے اپنے ناولوں میں جو ماحول دکھایا ہے وہاں کردار بدیسی ہی ماحول کو پسند کرتے ہیں۔ اور جب ہندوستان واپس آتے ہیں تو اُن کو سمجھ نہیں آتی کہ وہ کون سا سماج اپنائیں اندر سے وہ اپنے سماجی رسم ورواج کو پسند کرتے ہیں۔ مگر دکھاوے اور بناوٹ کے لیے مثالیں وہ یورپ کی دیتے ہیں۔ سیاسی وسماجی حوالے سے "آگ" میں انہوں نے ایک ایسی نسل دکھائی ہے۔ جو معمولی غلطی کے باعث پس رہی ہے استحصالی طاقتیں جیسے کشمیر کو لوٹ رہی ہیں۔ اور تاجروں نے اپنی عیاش طبیعت سے جیسے کشمیر کے حسن کو برباد کیا ہوا ہے ناول میں اس کا بیان بہت واضح ملتا ہے۔

۱۹۴۷ء میں ہونے والے فسادات، قتل وغارت گری اور حادثات کو بہت سے ادیبوں نے بیان کیا اور جن سیاسی گروہوں اور سماجی بندھنوں سے آزاد ہو کر یہ وطن حاصل کیا گیا۔ اس کی عکاسی بھی ناول میں کی گئی ۱۹۴۷ء کے بعد کے لکھے جانے والے ناول میں تقریباً ہر ناول نگار کے ہاں برصغیر کے حالات اس کی تحریکوں، سیاسی وسماجی اور معاشی زبوں حالی، اور کرداروں کی ہجرت کے حوالے سے ایک دکھ اور تاسف موجود ہے۔ فضلی کے ناول "خون جگر ہونے تک" کو اگر تفصیل سے پڑھیں تو یہ دراصل پاکستان بننے کی ساری صورتحال کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے مختلف سیاسی جماعتوں نے جس طرح جدوجہد کی اور اس کے جو اثرات سامنے آئے ناول میں اس کے اشارے موجود ہیں۔ قرۃ العین حیدر نے نہ صرف یہ کہ تہذیبوں کے بننے اور ٹوٹنے کو بیان کیا بلکہ بہت سے سیاسی وسماجی واقعات کو اپنے ناولوں کا حصہ بنا کر آنے والے وقتوں کے لئے ماضی کی ایک خوبصورت تاریخ مرتب کر دی۔ ملکی آزادی ہو یا ۱۸۵۷ء کی جنگ یا ماجی کی جنگیں اور واقعات۔ مصنفہ کی نظروں سے کچھ مخفی نہ تھا ہندوؤں اور مسلمانوں کے خوشامدانہ رویے کی بھی انہوں نے بہت سے ناولوں میں وضاحت کی ہے۔

"خدیجہ مستور کے آنگن" کو سیاسی وسماجی شعور پر مبنی احساسات کا ناول کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ یہ وہ دور تھا جب انگریز حکومت کے تحت سیاست ملک و قوم کے رگ وپے میں سرایت کی ہوئی تھی۔ کانگریس مسلم لیگ دوسری جماعتوں کے سیاسی اثرات عوام کے اُوپر اتنے زیادہ تھے کہ گھروں کے اندر بھی یہی سیاست موجود تھی۔ کرداروں کو اسی ملکی سیاست کے باعث موت کے منہ میں جاتا ہوا دکھا کر مصنفہ نے اس پر آشوب سیاسی دور کو بیان کیا ہے۔ آنگن میں وہ نسل ہے جو

پاکستان بننے کے عمل میں اپنی سماجی زندگی کی ذمہ داریاں نبھارہی ہے اور "زمین" میں وہ نسل ہے جو پاکستان بننے کے بعد اپنے نظریات کو بھول کر جائز و ناجائز طریقے سے صرف پیسہ کمانا چاہتی ہے۔ عبداللہ حسین نے اپنے ناولوں میں جنگ عظیم اول اور دوئم کے واقعات کے ساتھ ساتھ پورا ملکی منظر نامہ، غریب عوام کی الجھنیں اور جاگیردارانہ طبقے کی ناانصافیوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ملک کی تقسیم جس طرح سے ہوئی قافلوں کے قافلے مارے گئے لوگ بچھڑ گئے، احباب دور ہوئے اور انسانی قدروں کو جیسے زوال آیا صنعتی زندگی زندگی نے جسے ہر طرف غلبہ پالیا اُن کے ناولوں میں یہ سب کچھ موجود ہے۔

> ''اُداس نسلیں۔۔ کا شمار قیام پاکستان اور اس سے پہلے کے برصغیر میں رہنے والے لوگوں کی سیاسی س بیداری سے متعلق لکھے گئے بہترین ناولوں میں ہوتا ہے اس ناول کو اردو ادب میں ایک اہم واقعہ اور نئی روایت کے آغاز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حقیقت پسندی کی ایسی مضبوط روایت جس میں خاص طور پر پنجاب کی ذہنی زندگی ہمیں سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور وہ اپنی تمام خوبصورتیوں اور بدصورتیوں کے ساتھ ہمارے سامنے زندہ ہو جاتی ہے۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ پنجاب کی دیہاتی زندگی کی جیسی عمدہ عکاسی اس ناول میں ہمیں ملتی ہے۔ ویسی اس کے بعد کسی ناول میں موجود نہیں ہے۔''(۳)

''قید'' اور ''نادار لوگ'' میں بھی ملکی سیاسی زندگی کے اہم واقعات، سماجی زندگی کی الجھنوں اور عام لوگوں پر ان کے اثرات بڑی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ خاص طور پر بھٹہ مالکان جس طرح سے غریب اور محنت کش عوام کا خون نچوڑ کر انہیں اپنے فوائد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ایسے مناظر عبداللہ حسین نے بڑی مہارت سے لکھے ہیں اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی جیلوں کے مناظر اور جس طرح سے انسان سماجی جبر کا شکار ہو کر پستا ہے۔ ناول میں اس کا ذکر کرداروں کی زبانی موجود ہے۔

شوکت صدیقی نے اپنے ناولوں میں گلتے سڑتے سماج کی تہوں سے نکال کر لافانی کردار پیش کئے ہیں۔ ''خدا کی بستی'' میں اگر کراچی کی زندگی ہے تو ''جانگلوس'' میں دیہی معاشرت اور اسٹیبلشمنٹ کا گھناؤنا روپ ہے۔ جو کہ مفرور کردار لالی کی وساطت سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ ''فلک پیما'' تنظیم کو دکھا کر دراصل مصنف نے معاشرے کے زخموں کے لیے مرہم کا بندوبست کیا ہے۔ کردار جس طرح دکھ سہتے ہیں اور ان کے ہاتھوں موت کے منہ میں اترتے ہیں سماجی بے حسی

کی نمایاں علامت ہے۔ شوکت صدیقی نے وہ معاشرہ پیش کیا ہے جس میں چھینا جھپٹی اور لوٹ مار عام ہے۔ محمد خالد اختر کا ''چاکیواڑہ میں وصال'' اور رشیدہ رضویہ کا ''اسی شمع کے آخری پروانے'' ۱۹۷۰ء تک کے ناول کے سفر کا اختتام کرتے ہیں لیکن دراصل یہ ناول کا اختتام نہیں بلکہ دراصل پاکستان میں اس کے عروج کا دور ہے۔ ادب کی کوئی بھی صنف ہونا موافق حالات میں خوب پھیلتی پھولتی ہے۔ پاکستان جو نظریات کی سرزمین تھا اور آزادی کے تصورات کو لیے ہوئے لوگ آگے کی جانب بڑھنا چاہتے تھے۔ اور ترقی کرنا چاہتے تھے۔ ان کے لیے اچانک ذہنی سطح پر سامنے آنے والا حادثہ پاکستان بننے کے بعد ۱۹۷۱ء کا المیہ تھا ۱۹۷۱ء کے بعد بہت سے ایسے ناول سامنے آئے جو اس سانحہ سے متاثر ہو کر لکھے گئے تھے۔ دراصل پاکستان میں یہی ہوا کہ جو بھی برسر اقتدار آیا اس نے پوری کوشش کی کہ دوسروں کو کچلا جائے اور دبایا جائے کبھی حب الوطنی کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور کبھی کسی کو غدار قرار دیا گیا۔ پھر اس کے بعد جو آیا اس نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا دراصل اونچے طبقات کی نمائندہ جماعتیں تمام محنت کاروں کی جماعتوں سے ہر لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں لیکن عوامی تائیدہ حاصل کرنے اور سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر اونچے طبقات سے تعلق رکھنے والے بعض ہوشیار سیاستدان تمام لوگوں کو حسین وعدوں کی آڑ میں پیچھے لگا لیتے ہیں۔ مذہبی رجحانات رکھنے والے لوگوں کی ہمدردیاں اسی قسم کی جماعتوں سے ہوتی ہیں تاہم اس قسم کی جماعتیں عموماً فرقہ پرستی میں بٹ کر آپس میں دست و گریباں ہو جاتی ہیں جس سے نئے تعصّبات اور فرقہ پرستی جنم لیتی ہے۔ بیشتر ترقی پذیر ممالک میں مخصوص طبقات کو سیاسی طور پر اجارہ داری حاصل رہی ہے سامراجی طاقتوں نے ان ممالک میں مقامی لوگوں کو ہمنوا بنانے کے لیے بڑی جاگیریں اور دیگر مراعات دیں آزادی کے حصول کے بعد بھی ان اقوام میں ایسے ممتاز طبقات ہی سیاست پر چھائے رہے۔

''جس معاشرے میں اقتدار پرست قومیں آزادی کے تحفظ، حب الوطنی اور بیرونی خطروں کا نام لے کر ذہنی آزادی کو کچلنے لگتی ہیں۔ وہاں معاشرہ رفتہ رفتہ اُس آگ کی طرح ٹھنڈا ہونے لگتا ہے۔ جس میں ایندھن ڈالنے کا عمل بند ہو گیا ہو۔''(۴)

باہمی اختلافات انسانی معاشرے میں ناگزیر ہوتے ہیں یہ اختلافات مختلف مسائل اور باہمی چپقلش کو پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ایک سیاسی نظام کے اندر، اختلافات، منظم اداروں اور عام دھڑے بندیوں کی تشکیل کا باعث بنتے ہیں۔ ایک سیاسی نظام کے اندر چپقلش کی یہ کیفیت جب

حدود سے تجاوز کر جاتی ہے۔ تو قومی یکجہتی کا حصول ممکن نہیں رہتا جس کے ملکی سیاست پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہی سب کچھ ہماری ملکی سیاست میں ۱۹۷۱ء میں ہوا۔ ایسی صورت حال پیدا کر دی گئی کہ مشرقی پاکستان الگ ہو گیا اور بنگلہ دیش کہلایا۔ جس کی بہت سی وجوہات تھیں۔

۱۹۷۱ء میں جن مسائل سے گزر کر مشرقی پاکستان الگ ہوا اور جس چھوٹی جنگ کے تحت انسانیت کا مزاق ارا دیا گیا بہاری، پنجابی اور بنگالی کی قید میں انسانوں کو سزا دی گئی اس کا بیان دیگر اصناف کی مانند ناول میں بہت وضاحت اور تفصیل سے ہوا اور آج اکیسویں صدی کی آخری دہائی تک جو ناول لکھے ہیں ان میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی اشارہ اس حوالے سے ضرور موجود ہے۔ لیکن الطاف فاطمہ، مستنصر حسین تارڑ، طارق محمود، سلمیٰ اعوان، رضیہ فصیح احمد اور طارق اسماعیل ساگر نے اپنے ناولوں کی بنیاد ہی ۱۹۷۱ء کے المیے پر رکھی۔

الطاف فاطمہ نے ”چلتا مسافر“ میں شروع سے پاکستان بننے کی کہانی، کرداروں کے نظریات کے ذریعے بیان کی ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے جو کچھ کھونا پڑا اس کی وضاحت کی ہے۔ نیز پاکستان بننے کے بعد کرداروں کے خواب جس طرح ٹوٹتے ہیں ان کو سیاسی و سماجی پس منظر میں مزمل، نصیبا اور دوسرے کرداروں کے ذریعے واضح کیا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں جو کچھ ہوا مکتی باہنی کے نام پر کیسے انسانیت ٹکڑوں میں تقسیم ہوئی اور لاشوں کے انبار لگے مکتی باہنی نے جو تخریبی کاروائیاں کیں الطاف فاطمہ نے اپنے وسیع مشاہدے کی بناء پر اُسے پیش کیا۔ بنگالی مسلمانوں پر جو گزری اور مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے درمیان جو دوری ہوئی مصنفہ نے کرداروں کی زبانی رشتوں ناطوں کے ٹوٹنے کے باعث اس کو محسوس کیا۔ مستنصر حسین تارڑ نے مشرقی پاکستان کے المیے کو ”راکھ“ میں مردان اور دوسرے کرداروں کی وساطت سے بیان کیا اور اظہار، نازنین، عارفین اور شوبھا کو اسی المیے کی باقاعدہ شکل میں متاثر ہوتا دکھایا۔ مردان جس نے بطور کیپٹن ۱۹۷۱ء کی جنگ میں حصہ لیا تاحیات اس الگ ہونے کے دُکھ کو محسوس کرتا رہا حتیٰ کہ موت کے منہ میں اُتر گیا۔ سیاسی اثرات کے ساتھ ساتھ ناول نگار نے اس دور کی معاشرت اور سماج کو بھی اپنے ناول میں بڑی خوبی سے دکھایا۔

طارق اسماعیل ساگر نے ”لہو کا سفر“ میں عظمیٰ اور شیر افگن کے ذریعے مشرقی پاکستان کی کہانی بیان کی اور عظمی کو حب الوطنی کے مظاہرے میں بڑے جوش اور جذبے سے حصہ لیتے ہوئے قارئین کے سامنے پیش کیا۔ عظمیٰ جس طرح سے والدین کے ساتھ جانے سے انکار کرتی ہے اور تخریب کاروں کی گولی کا نشانہ بنتی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ سلمیٰ اعوان نے ”تنہا“ میں سمعیہ اور

اجتبیٰ الرحمان کے ذریعے دونوں حصوں کے درمیان جغرافیائی بعد اور زبان کی دوری کو واضح کیا نیز کرداروں کی لمبی تقاریر اور گفتگو کے ذریعے غیر جانبدارانہ انداز میں مشرقی پاکستان کی زبوں حالی، کسمپرسی اور غربت کو نمایاں کیا۔ اس ناول میں کردار اپنی نظریاتی بحثوں اور نظریاتی حد بندیوں پر اتنی مضبوطی سے کاربند ہیں کہ محبت کے باوجود الگ ہو جاتے ہیں جیسے پاکستان کے دونوں حصے الگ ہو گئے تھے۔

> ''سومی کا یہ کہنا کہ آخر مغربی پاکستان کے سیاستدانوں کی غلطیوں کا خمیازہ وہ کیوں بھگتے بڑا معنی خیز ہے۔ اس سے ناول میں وہ صداقتی عنصر داخل ہو گیا جس کا باشعور قاری مطالبہ کرتا ہے۔''(۵)

رضیہ احمد نے ''صدیوں کی زنجیر'' اور طارق محمود نے ''اللہ میگھ دے'' میں اسی موضوع کو بڑی خوبصورتی سے آگے بڑھا کر اس موضوع پر ایسے ناول دیئے جو اُردو ادب میں اس حوالے سے نا صرف یہ کہ یادگار ہیں بلکہ تاریخی، سیاسی اور سماجی شعور کے حامل بھی ہیں۔

۱۹۷۱ء کے بعد ٹوٹے پھوٹے پاکستان میں جو کچھ رہ گیا تھا کوشش کی گئی کہ اُسے سنبھالا جا سکے مگر حکمران طبقے اور سیاست سے عاری قائدین پاکستان کے ڈھانچے کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا نہ کر سکے اور بہت سے مسائل سامنے آئے جن کی عکاسی، انتظار حسین، انور سجاد، بانو قدسیہ، عبداللہ حسین، آغا بابر، صدیق سالک اور شوکت صدیقی نے کی۔ یہ وہی دور ہے جب وجودی فکر بھی ناولوں میں پیش ہوئی اور جاگیر دار طبقے کی ناانصافیوں کے ساتھ ساتھ اسٹیبلشمنٹ کے مکروہ چہرے بھی بیان ہوئے اس ضمن میں عبداللہ حسین کا ''قید''، شوکت صدیقی کا ''جانگلوس'' اور صدیقی سالک کا ''ایمر جنسی'' اہم ہیں انیس ناگی نے ''دیوار کے پیچھے'' میں وہ صورت حال دکھائی ہے جو کسی ملک میں سیاسی و سماجی جبر کے دوران ہوتی ہے۔ ''قید'' اور ''جانگلوس'' میں دکھایا گیا ہے۔ کہ کیسے صدیوں سے جاگیر دار طبقہ انسانیت کا استحصال کرتا آیا ہے اور اس کی پشت پناہی حکومت کے ہاتھوں ہوتی ہے۔ عوام مجبور ہیں اور وہ ان کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ صدیوں سے اس چکی میں پسنا ان کا نصیب بن چکا ہے۔ مارشل لاء سے اکتائے ہوئے عوام ان ناولوں میں بہت سی جگہوں پر اپنے اس دکھ کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے ہیں ان کے اوپر ایک ہاتھ ہے جس کے تحت ان کا ہر عمل مجبوری کے تحت ہے۔ اسی صدی میں صنعتی اور ٹیکنالوجی میدان میں جس طرح لوگ آگے بڑھے اور جاگیر دار طبقے کو شکست دینا چاہی اس کا بیان ہمیں صدیق سالک کے ناول

"ایمر جنسی" میں ملتا ہے۔ ملک جبار کو آخر میں یہ خوف لاحق ہو جاتا ہے۔ کہ اب اس کا دور ختم ہو گیا ہے۔ اور نیا دور جو کہ صنعتی پیداوار اور خوشحالی کا دور ہے۔ اب ساری دنیا پر چھانے والا ہے۔ اُسے شانتی نگر کی جاگیر داری اب ممکن نظر نہیں آ رہی ہوتی اس لیے جب وہ دیکھتا ہے۔ کہ لوگ اکھٹے ہو کر آرہے ہیں تو صرف خوف سے ہی مر جاتا ہے۔ اس کی موت سے دراصل مصنف نے تمام استحصالی طاقتوں کی موت دکھانے کی کوشش کی ہے۔ "پریشر ککر" میں بھی یہی دکھایا ہے کہ فطرت کے پاس فن بھی ہے اور ذہن بھی مگر سماجی جبر اور دباؤ کے باعث اس کا اپنے فن پر سے بھی اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے ہاتھوں سب کچھ ختم کر دیتا ہے۔ بیسویں صدی کی آخری دہائی اور اکیسویں صدی کے آغاز تک پاکستانی سیاست اور سماج میں بہت سی تبدیلیاں آئیں جاگیر دارانہ سوچ اور سماجی تفریق و تفاوت جیسے مسائل کے باعث پاکستان اندرونی طور پر بہت ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا شکار ہو گیا۔ آئے دن حکومتوں کی تبدیلی اور طویل فوجی قیادت نے نا صرف اس کی ترقی پر اجڑ ڈالا بلکہ دوسرے ممالک سے پاکستان کے تعلقات بھی خراب ہوئے۔ اس میں دو اہم مسائل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ایک افغان جنگ اور دوسرا ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا واقعہ جس کو بنیاد بنا کر امریکہ اور شمالی اتحاد کی فوجوں نے نا صرف یہ کہ افغانستان پر چڑھائی کر دی بلکہ پاکستان کے اندر بھی طالبان کی تلاش میں بہت سے علاقوں میں چھان بین شروع کر دی اور مختلف مقامات پر ڈرون حملے اور بمباری شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے بے گناہ مارے گئے اس کے بعد پاکستان میں فرقہ واریت اور تباہ حالی کا طوفان کھڑا ہو گیا اور خاندان کے خاندان اس انتشار کی بھینٹ چڑھ گئے۔

اس صورت حال کے تحت اگر ہم پاکستانی اُردو ناولوں کو دیکھیں تو یہ سارے ملکی اور غیر ملکی مسائل اور معاملات اس خوبی سے موجود ہیں کہ پڑھ کر حیرانی ہوتی ہے۔ کہ آج کا ناول نگار اپنے دامن میں زندگی کے سارے رنگ سمیٹے ہوئے ہے۔ دنیا بھر میں جو تضاد اور تصادم کی فضا پچھلے بیس سالوں میں سامنے آئی، معاشی بحران، بغاوتوں، انقلاب اور عوامی جدوجہد کی اس صورت میں یہ ساری داستان اُردو ناول میں موجود ہے۔

انیس ناگی نے ''محاصرہ'' اور ''کیمپ'' میں ملکی صورت حال کی بڑی واضح تصویر دکھائی ہے ''محاصرہ'' میں سلیم خوفزدہ ہے اس کے اندر کے انسان کو اطمینان اُس وقت نصیب ہوتا ہے جب ملک عزیز ہونے والی دہشت گردی کے خلاف وہ خود آواز اٹھاتا ہے اور سر تا پا احتجاج بن کر دشمنوں کو بھون کر رکھ دینا چاہتا ہے ناول اُس جبر کو بھی بیان کرتا ہے جو استحصال نے تیسری دنیا کے

ممالک پر روار کھا ہے اور جس طرح سے عوام کو یہ طاقتیں دباتی ہیں اپنی مرضی کے مطابق کام لینا چاہتی ہیں مگر پھر انقلابی شعور کے ذریعے ان کے کُھلے جانے کی جس طرح کوشش ہوتی ہے ناول نگار نے سلیم کی زبانی یہ صورت حال دکھائی ہے۔

ہماری ملکی سیاست پر افغان مہاجرین جس طرح براہ راست اثر انداز ہوئے اور دوسرے افراد کو جیسے ضروریات زندگی کے لیے سمٹنا پڑا "کیمپ" میں اس کا بیان موجود ہے۔

مارشل لاء کے دور میں ادیب صحافی اور شاعر جو ذہنی کرب محسوس کرتے ہیں اور ان کی رائے کی جو بالکل قدر نہیں ہوتی ہے ثریا شہاب نے "سفر جاری ہے" میں اس کی وضاحت کی ہے آمرانہ دور حکومت میں جو پکڑ دھکڑ اور گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہوا اور سماجی بے حسی کا جو دور شروع ہوا ناول نگار نے کہانی میں کرداروں کی زبانی بتانے کی کوشش کی۔

> "ادیب ادیب ہونے کے علاوہ معاشرے کا فرد بھی ہے اور اگر گردوپیش کا اثر بھی اس کے افکار پر ہوتا ہے تو اس اعتبار سے اس کا بنیادی تصور حیات اس کے ماحول کی دین بھی ہے اور وہ ادب پارے میں اس کا اظہار بالواسطہ یا بلاواسطہ ضرور کرے گا۔"(۶)

انتظار حسین نے "آگے سمندر ہے" لکھ کر دراصل یہ دکھایا ہے کہ نیا ملکی نظام مہاجرین کے آنے سے پورے کا پورا تبدیل ہو جاتا ہے جب وسائل کم اور مسائل زیادہ ہو جاتے ہیں تو پرامن حالات اچانک خراب ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور جب مطلوبہ معیار زندگی حاصل نہیں ہو پاتا تو افراد میں اور مملکت کے رشتوں میں ایک بے چینی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ عبداللہ حسین نے "نادار لوگ" میں پوری ملکی سیاست اور سماجی بدحالی کی وضاحت کے ساتھ فوج اور جاگیر دار طبقے کی منافقتوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ آزادی سے اب تک یہ طبقہ سیاست پر چھایا رہا ہے اور ہر منفی مثبت طریقہ کار سے اقتدار میں شامل رہتا ہے اس طبقے کو جب چاہے فوج خرید لیتی ہے ان کی تاریخ بہت لمبی ہے۔ پنجاب میں یہ زمیندار سندھ میں وڈھیرے اور سرحد و بلوچستان میں سردار یا خان کہلاتے ہیں ان لوگوں نے جہاں اپنے مسلح گروہ بنا رکھے ہیں وہیں ذاتی جیلیں بھی بنا رکھی ہیں علاقے کے غریب مزارع، ہاری یا دوسرے لیبر طبقے پر جو ظلم روا ہوتے ہیں وہ یہی لوگ کرتے ہیں ان لوگوں نے اپنے علاقوں میں پنچایت جرگوں وغیروں کے نام سے اپنے عدالتی نظام قائم رکھے ہیں جنہیں ملک کی عدلیہ ہوتے ہوئے بھی سرکار کی پشت پناہی حاصل ہے جس کی وجہ سے غریب عوام

کی دادرسی کا کوئی ذریعہ نہیں ان لوگوں کے اسمبلیوں میں موجود ہونے کی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ اپنے علاقوں میں طاقت اور دھونس س کے ذریعے لوگوں کو اپنے حق میں ووٹ ڈالنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ ''نادار لوگ'' میں جھوٹی سیاست، کسان مزدور تحریکوں کا اجتماع اور ترقی یافتہ ممالک میں ہونے والی صنعتی ترقی اور اس کے نتیجے میں جس طرح سے پاکستانی طبقے کے اندر تبدیلی پیدا ہوئی ان سب کا کھلا بیان موجود ہے۔ نیز پاکستانی سیاست نے جس طرح پیچ وخم کھائے اور ملکی بحران کا سامنا مشرقی پاکستان کی صورت میں اٹھانا پڑا ناول کے صفحات میں ملتا ہے۔

اکیسویں صدی میں جس طرح سے تبدیلیاں تیزی سے رونما ہوئیں پاکستانی حکومت اور سیاست نے جس طرح پلٹا کھایا۔ بین الاقوامی واقعات نے پاکستانی حکومت عوام اور رعایا پر جو اثر ڈالا وطن عزیز کی ساکھ جس طرح عالمی منظر نامے پر خراب ہوئی اُردو ناول نے بڑی مہارت اور دانشمندانہ انداز سے یہ سب کچھ پیش کیا۔ وہ ناول نگار جو بیسوی صدی کی ساتویں اور آٹھویں دہائی میں صرف داخلی احساسات اور کشمکش کو دکھارہے تھے اکیسویں صدی میں بیرونی سطح پر ہلچل مچانے والے واقعات، بیرونی عالمی منڈیوں کے پاکستان پر اثرات اور بیرونی ممالک کی استحصالی سوچوں کو نہ صرف یہ کہ محسوس کرنے لگے بلکہ ناول میں وجود دی، نظریاتی فکری اور سیاسی بحثوں کے ذریعے اس کا اظہار بھی ہوا۔ ''حاصل گھاٹ'' میں بانو قدیہ کا فکری شعور اس قدر نکھرا اور واضح ہے کہ مصنفہ کے قلم کی داد دینی پڑتی ہے، خالدہ حسین اس صدی میں آکر سیدھے سادھے پاکستان کی نظریاتی بحثوں میں اُلجھ جاتی ہے اور مختلف کرداروں کے ذریعے ملکی سیاست وسماج کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ تارڑ ایک دفعہ پھر ماضی سے حال میں غوطہ لگا کر اہم ملکی، سیاسی، پسماندہ اور ترقی یافتہ اقوام کا حال اپنے ناول ''خس وخاشاک زمانے'' میں پیش کرتے ہیں نجمہ سہیل اسی سائنسی زندگی میں انسان کے اندر کی داخلی کشمکش اور سماجی بے حسی کے شکار افراد دکھاتی ہیں جو وجود کی معنویت حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر سماجی دباؤ اور جبر انہیں پیچھے دھکیل دیتا ہے۔ اکیسویں صدی میں ان ناول نگاروں نے ملکی اور غیر ملکی سطح پر بہت سے اہم مسائل کی نشاندہی کی مثلاً روس، افغان جنگ، امریکہ اور شمالی اتحاد کا افغانستان پر حملہ، اسرائیلی فلسطینی جنگ وسیاست اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کی آڑ میں امریکہ کا طالبان کی تلاش میں پاکستانی علاقوں میں بربریت اور ڈرون حملوں کا مظاہرہ جس کے نتیجے میں لاکھوں افغانی اور پاکستانی موت کے منہ میں اُتر گئے۔

"امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی ان پالیسیوں کی وجہ سے ترقی پذیر اور پسماندہ ملکوں میں جمہوریت کا ارتقائی سفر یا تو رکتا رہا یا پھر مثبت اندرز میں چل نہیں پایا۔"(۷)

اُردو ناول نگاروں نے داخلی، خارجی اور سماجی سطح پر بھی تمام حقائق اور مسائل کی نشاندہی کی اور آغاز سے اکیسویں صدی تک کے پاکستان کے عوام کی مشکلات اور پریشانیوں کو حسن تدبیر سے پیش کیا" کاغذی گھاٹ "میں خالدہ حسین نے بہت سی ایسی عورتیں دکھائی ہیں جہاں جائیداد کے لالچ میں ان کے خاندان والے قرآن ان کے سر پر رکھ کر حق بخشوا لیتے ہیں۔ آج بھی غریب ہاری کسان اور نچلے طبقے کا وہی نقصان ہو رہا ہے جیسے تقسیم ملک سے پہلے، تو پھر تبدیلی کس طبقے کیلئے آئی؟ مصنفہ کہتی ہے کہ تبدیلی کے عمل کے لئے پورے سماج کو جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے کسی ایک کے عمل سے معاشرے کی اقدار کو نہیں بدلا جا سکتا۔

"شادی کرنا مردوں کی طرح عورتوں کا بھی بنیادی حق ہے لیکن پاکستان میں کئی علاقوں خصوصاً سندھ میں خواتین کو اس حق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور لڑکیوں کی قرآن سے شادی کر کے ان سے حق بخشوا لیا جاتا ہے معاشرے میں اس رسم کے خلاف محض چند لوگ ہی آواز بلند کرتے ہیں کیونکہ معاشرے میں اسے رائج کرنے والوں کا تعلق جاگیر داروں اور وڈیروں کے خاندان سے ہے اس لئے ان کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کرتا۔"(۸)

مختصراً یہ کہ کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جو آغاز سے اب تک پاکستانی ناول نگار کے ہاں پیش نہ ہوا ہے۔ اردو ناول نگار نے اپنے وسیع مشاہدے سے کام لے کر پاکستانی ناول کو واقعات، مسائل اور حالات و مشاہدات کا ایک خوبصورت نگار خانہ بنا دیا ہے جس میں سیاسی و سماجی الجھنوں کے ساتھ ساتھ داخلی و خارجی زندگی کی تصویریں بھی موجود ہیں جو اپنے عہد کی بدلتی ہوئی صورت حال کی عکاسی کرتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مبارک علی، ڈاکٹر،،المیہ تاریخ،، فکشن ہاؤس لاہور ۱۹۹۵ ص ۱۷۲

۲۔ ایضاً، ص ۲۷۷

۳۔ محمد عاصم بٹ، ''عبد اللہ حسین، شخصیت اور فن''، اکادمی ادبیات اسلام آباد ص ۲۵

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''پاکستانی کلچر''، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۹۶ ص ۹۶

۵۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر ''اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار''، مہاجر اسرائے پبلی کیشنز کراچی ص ۱۸۸

۶۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، ''پاکستانی قومیت کی تشکیل نو''، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۶ ص ۱۴۷

۷۔ عرفان احمد بیگ پروفیسر ''سانحہ نیو یارک سے سقوط کا بل تک'' الحمد پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۳۷

۸۔ عقیلہ جاوید ڈاکٹر، ''اردو ناول میں تانیثیت''، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان ۲۰۰۵ ص ۳۰۲